eISSN: 2073-3674
pISSN: 1991-7813

CC BY
OPEN ACCESS

ڈاکٹر سلیم اختر کے افسانوں میں علامتی عناصر

Elements of symbolism in Dr. Salim Akhtar's Short Stories

فائزہ عروج، پی ایچ ڈی اسکالر جی سی ویمن یونیورسٹی سیالکوٹ
Faiza Urooj, Ph.D Scholars, G C Women University Sialkot.
ڈاکٹر محمد افضال بٹ صدر شعبہ اردو، جی سی ویمن یونیورسٹی سیالکوٹ
Dr. Muahmmad Afzal Butt, Chairperson, Department of Urdu, G C Women University, Sialkot.

Abstract

Short stories (Fiction) as compared to other kinds of leterature, presents diverse angles of life in a more realistic way. In Urdu fiction, the tradition of symbolism is in vogue for centuries. After the establishment of Pakistan, in a very short time, political, societal, economical and psychological behaviours, in the mode of symbol, found place in the art of Intezar Hussain, Ahmad Javed, Rasheed Amjad, Anwar Sajjad, Sarindar Perkash and then in the work of creative writers like Dr. Sleem Akhter. He symbolised "Basti", "Kath Putli", "Shajar", "Sehraa", "Pahar", "Kushbu", "Badbu" and various animals and birds in which owl, vulture, dog, donkey and scorpion are remarkable. He has clear tendency towards mythology, societal and political symbolism. He has proved his artistic insight in selecting events details to stable symbol in his fiction. The symbolic fiction of Dr. Sleem Akhtar is unique wealth in Urdu literature. In the history of fiction, his name is so remarkable.

Key words: literature, Fiction, Symbolism, "Basti", "Kath Putli", "Shajar", "Sehraa", "Pahar", "Kushbu", "Badbu"

"علامت" کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ اس کا وجود اتنا ہی قدیم ہے جتنا کہ انسان۔آغازِ تہذیب کا انسان تجرباتی دور سے گزر رہا تھا۔ اشیا

کے ساتھ تلازمات کے رشتے قائم ہو رہے تھے۔ انسان کو علامتی عمل تک پہنچنے کے لیے مختلف مرحلوں سے گزرنا پڑا۔ چنانچہ حیاتیاتی ضروریات کے تحت اشارے، نشانات اور علامات استعمال ہوتی رہی ہیں۔ علامت، اشارے، اور نشان کی نسبت انسان کی ذہنی بالیدگی اور فکری نشوونما کا نتیجہ ہے۔

"علامت" عربی زبان کا لفظ ہے اور اپنے اندر کافی معنی خیزی رکھتا ہے۔ لُغوی لحاظ سے علامت کے درج ذیل معانی ہیں: نشان، پتا، سراغ، کھوج، اشارہ، کنایہ، چھاپ، مہر، آثار۔ انگریزی میں علامت کے لیے لفظ "Symbol"استعمال کیا جاتا ہے۔ جو دراصل یونانی لفظ Symbolein اور Symbolonسے نکلا ہے۔ عام الفاظ میں بنیادی مفہوم یہی ہے کہ دو ایسے ٹکڑے جو کسی ایک واقعہ کی گواہی دیں۔ اور جب ان ٹکڑوں کو ملایا جائے۔ تو ان کی حقیقت واضح ہو جائے۔ علامت کے لفظی معانی "نشان"، " شکل"، "صورت" کے ہوتے ہیں۔ جسے شاعر یا ادیب، قاری یا سامع کے ذہن میں کسی اشارے سے شناخت کراتاہے۔ وے بیسٹر نیو انٹر نیشنل ڈکشنری (Webester New International Dictionary)میں علامت کی جامع تعریف دی گئی ہے۔

> Symbol is that which stands for or suggests something by reason of relationship, association, convention, or accidental resemblance or a visible sign of something inviable, as an idea, a quailty or a totality such as a state or a church.

انسان اپنے جذبات اور محسوسات کو علامتوں کے ذریعے بیان کرتا رہا ہے۔ علامت کی اس قدیم روایت اور استعمال کی وجہ سے اس کا مفہوم کافی وسیع ہو گیا ہے۔علامت کے ذریعے وہ پُر اسرار اور ماورائی تجربات بیان کیے جا سکتے ہیں۔ جو کہ بعض اوقات الفاظ کے انبوہ سے بھی ممکن نہیں ہیں۔علامات زمانہ قدیم سے ہی انسانی تصرف میں ہیں لیکن ایک تحریک کی حیثیت سے علامت ۱۸۸۵ء میں یورپ سے اپنا سفر شروع کرتی ہےیہ تحریک اپنے دور کے میکانکی وسائنسی خیالات کے خلاف ایک بغاوت تھی۔

> یورپ میں علامت نگاری کا سب سے اہم مرکز فرانس بنا۔ یہ ایک اتفاقیہ امر تھا، کہ امریکی شاعر و ادیب ایڈگرایلن پو کی چند تحریریں فرانس میں بادلئیرکی نظر سے گزریں، پو نے امریکہ میں علامتی شاعری شروع کی تھی، جہاں اُسے قبولیت نہ مل سکی۔ مگر بادلئیر ان تحریروں سے بہت متاثر ہوا، اس کے اپنے ذہن میں علامت نگاری کا جو تصور تھا وہ اُبھر کر سامنے آگیا۔ (۱)

اس مدرسۂ فکر کے دیگر شرکا پال ورلین(Paul Verlain) ، آرتھر رِمنبڈ (Arthur Rimband) اور اسٹیفین ملارمے (Stephen Mellarme)تھے۔

اُردو ادب میں علامت کے استعمال کی کڑی داستان سے جا ملتی ہے۔ مختلف داستانوں میں جانور،پرندے اور مظاہر فطرت بطور علامت نمو پذیر ہوئے۔افسانے میں یہ علامتی رنگ نئی اور جدیدشکل میں ظہور پذیر ہواجب ترقی پسندتحریک حقیقت نگاری کا پرچار کر رہی تھی تب بھی بعض افسانہ نگاروں نے علامت،تمثیل اور اشاریت کا استعمال کیالیکن علامت کے رجحان نے ساٹھ کی دہائی میں زور پکڑا۔ اس کے علاوہ ایک بنیادی وجہ یہ ہے کہ ۱۹۵۸ء میں پاکستان میں مارشل لا کے نفاذ میں علامتی سوتے بڑی تیزی سے پھوٹے۔ مارشل لاکے نتیجے میں زبان بندی کی جو صورت حال پیدا ہوئی۔ اس سے عہدہ برا ہونے کے لیے افسانہ نگاروں نے علامتی انداز اختیار کیا۔

ڈاکٹر سلیم اختر کے فن اور تخلیق پر نظر ڈالیں تو وہ کئی مختلف سطوح پر مشتمل ہیں۔ جن میں نفسیات، تنقید اور افسانہ بنیادی اور اہم ہیں۔نفسیات اور تنقید میں دنیا ان کا لوہا مانتی ہے لیکن وہ افسانوی ادب میں متنوع موضوعات پر طبع آزمائی کے بعدبھی تنقید اور نفسیات جیسی شہرت حاصل نہ کر سکے۔حالاں کہ ڈاکٹر سلیم اختر ادب کے سمندر میں بطور افسانہ نگار پہلے اُبھرے تھے اور بطور نقاد اور نفسیات دان بعد میں۔

ڈاکٹر سلیم اختر کے افسانوں میں علامت صد ہا رنگ و آہنگ میں نظر آتی ہے۔ علامت کبھی جنس اور فلسفہ کی صورت میں، کبھی حسن و عشق کے روپ میں، کبھی لذتِ مرگ اور دہشت کے رنگ میں، کبھی سیاسی و سماجی عناصر لیے ہوئے نظر آتی ہے۔ڈاکٹر سلیم اختر کے افسانوی ادب میں جن علامات کا تواتر سے استعمال دیکھنے میں آیا ہے۔ اس میں بستی، کاٹھ، جبل، (کوہ، پہاڑ)، شجر،پتھر،حاتم، پانی، کوڑھیالی زمین، سیاہ رنگ، بچھو قابلِ ذکر ہیں۔ یہ علامات روایتی مفہوم کے ساتھ ساتھ وسیع المعانی مفاہیم، جدت اور انفرادیت میں ڈھل کر استعمال ہوئی ہیں۔ ڈاکٹر سلیم اخترکہتے ہیں:

> مصوری کی اصطلاح میں Motif کا لفظ اس چیز کے لیے استعمال کیا جاتا ہے جو مصور کو انتہائی حد تک پسند ہوتی ہے۔ جیسے کوئی خاص رنگ، ڈیزائن وغیرہ۔ بالکل اسی طرح افسانوں میں میرے Motifمختلف علامات ہیں جن میں اہم ترین علامت " بستی " ہے جو اپنے اندر طنز کا عنصر لیے ہوئے ہے۔(۲)

ڈاکٹر سلیم اختر کے بیشتر افسانوں میں " بستی " بطور علامت استعمال ہوئی ہے۔اس سے مراد ہمارا وطن اور معاشرہ

ہے۔افسانہ "بے چراغ بستی کا چراغ " میں بستی ایک ایسے معاشرے کی علامت ہے۔ جہاں لوگ ظاہر پرستی پر یقین رکھتے ہیں۔ نیک طینتی کا لبادہ اوڑھے ہوئے ہیں۔ ان منافق لوگوں پر مشتمل معاشرے کو عبرت ناک انجام سے دو چار دکھایا گیا ہے۔ کیونکہ اس بستی میں رہنے کا معیار یہ ہے کہ انسان " انسان " نہ ہو بلکہ " فرشتہ " ہو۔ حالانکہ انسان، انسان ہوتا ہے، فرشتہ نہیں۔ اپنے نفس کی بدولت انسان خیر و شر کامجموعہ ہے۔ اس بستی کے لوگ اس لیے سزا وار ٹھہرے کیونکہ وہ تقویٰ و پرہیز گاری اور پارسائی میں خود کو سب سے اعلیٰ مقام پر سمجھتے تھے اور خود فریبی کا شکار ہو کر کاملیت کے عہدہ پر فائز تھے۔ ایسی بستی جب عذاب کا شکار ہوئی تو صرف ایک شخص بچنے میں کامیاب ہوا جو کہ خیر و شر کا مجموعہ تھا۔ جو ہر بے چراغ بستی میں نیکی اور محبت کا چراغ جلانے کا ذمہ دار ٹھہرا۔

"پکار " ایک ایسا افسانہ ہے جو خوف کے عناصر لیے ہوئے ہے۔ اس میں جس بستی کو موضوع بنایا گیا ہے۔ اُس پر خوف کے سائے مسلط ہیں۔بلا کی صورت میں انسان ہی انسان کا خون چوستا ہے۔انسان کے باطن کا شر، خوف، بزدلی اور شک استحصالی قوتوں میں اضافہ کرتے ہیں۔ اور یہ استحصالی قوتیں خون آشام بلاؤں میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔ جو ملک میں ویرانی و بربادی کا باعث بنتی ہیں۔ بہت کم افسانہ نگار ایسے ہیں جو نازک اور اہم مسئلوں سے اتنی سچائی اور سلیقے کے ساتھ نمٹتے ہیں۔

ڈاکٹر سلیم اختر کے اکثر افسانوں میں کاٹھ اور پُتلی سے بطور علامت استفادہ کیا گیا ہے۔ کیونکہ یہ بے حسی، ظلم عدم انصاف اور جبر و تشدد کے معنوں میں اپنی اہمیت رکھتا ہے۔ کاٹھ کے پردے میں وہ عوام اور کبھی عورت کو بیان کرتے ہیں۔

"احمق کٹھ پتلی" میں بھی ایک ایسی کہانی بیان کی گئی ہے۔ کٹھ پتلی کو عورت کی بے بسی و بے اختیاری اور بے چارگی کی علامت کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ ایسا معاشرہ جہاں عورت کی حیثیت مرد کے ہاتھوں "کٹھ پتلی" سے کسی طور کم نہیں ہے۔ وہ عمر بھر مرد کے اشاروں پر ناچتی ہے۔ اس کی گھٹی میں ازل سے مرد کی حاکمیت ڈال دی جاتی ہے۔ جب اس پیکر بے جان میں زندگی کی رمق پیدا ہو گئی تو مرد سے رہا نہ گیا اور اُسے اپنے تصرف میں رکھنے کے لیے " بیوی" بننے کی دعوت دی۔ ناچنا تو صرف ایک عمل ہے لیکن بیوی کی ذمہ داریاں جان کر " کٹھ پتلی" (عورت) بے اختیار چیخ اٹھی:

"میں بیوی نہیں بنتی۔ میں بیوی نہیں بنتی۔ "

"مگر کیوں؟ "

"یہ بھی کوئی زندگی ہے۔" اب وہ بھی غصہ میں بولا۔

"احمق کٹھ پتلی۔ تو شاید جانتی نہیں کہ اپنی بیوی بنا کر میں تمہیں کتنی بڑی عزت دے رہا ہوں۔"

" نہیں! مجھے اپنی زندگی اور آزادی کی قیمت دے کر عزت کا یہ سودا منظور نہیں ہے۔"(۳)

ڈاکٹر سلیم اختر تانیثی تحریک سے وابستہ نہیں تھے لیکن وہ عورت کی سماجی ابتری مرد کے ہاتھوں پامالی اور ناانصافیوں کے خلاف مختلف تصانیف میں احتجاج کرتے نظر آتے ہیں۔ وہ معاشرے میں عورت کے اصل مقام سے آگاہ کے آرزو مند ہیں۔ اور عورت کو بطور انسان دیکھنے کے متمنی ہیں۔

ڈاکٹر سلیم اخترمارشل لا اور جنگ کے اثرات کو نفسیاتی اور علامتی لہجہ میں افسانہ میں بیان کرتے ہیں۔ "دو سیارے" میں اکٹوپس کی منفرد علامت کا استعمال کس قدر خوب صورتی سے کرتے ہیں۔دوستی کی خواہش اور فیصلہ دونوں کرداروں میں خوف اور محبت کے ملے جلے جذبات پیدا کرتا ہے۔ اسی وجہ سے وہ دو وجود میں بٹ جاتے ہیں۔ جو کہ انہیں جذبات کے تحت داخلی اور خارجی ٹکراؤ کی علامت ہیں۔ ذہنی و نفسیاتی کشمکش کا گھیراؤ اس قدرگھُٹا اور بند دروازے کی مانند ہے کہ محسوس ہوتا ہے متعدد بازوؤں والا اکٹوپس جسم کو جکڑے اپنا گھیرا تنگ کر رہا ہو۔ ایسے میں دم گھٹ جائے لب جامدہو جائیں اور دل و دماغ کسی شکنجہ میں آجائیں تو حالات کسی فیصلہ پر نہیں پہنچ پاتے۔ ڈاکٹر رشید امجد کی رائے دیکھیے:

''سلیم اختر نفسیات کے ماہر ہیں اور ان کی پہچان نفسیاتی نقاد کی حیثیت سے ہوتی ہے۔ افسانوں میں بھی انہوں نے نفسیات کے گہرے شعور سے کام لیا ہے۔ ان کے زیادہ تر کردار اگرچہ متوسط طبقے سے تعلق رکھتے ہیں لیکن دوسرے طبقوں کے کردار بھی ان کی نظر میں رہتے ہیں اور بعض اوقات وہ تقابلی مطالعے سے اس پس منظر سے آشنا کراتے ہیں جو کردار کا ذہنی الجھنوں کا سبب بنتا ہے۔ ''(۴)

مارشل لا کے دور میں لوگوں میں جس طرح بے حسی پھیلی، اس نے ہر شخص کو پتھر کا بنا چھوڑا تھازبانیں گنگ ہو گئیں۔ آنکھیں بے نور ہوئیں۔ جذبے منجمد ہو کر رہ گئے۔ ان سب کی تصویر " پانچویں کھونٹ" میں بڑی خوبصورتی سے کھینچی گئی ہے۔

یوں محسوس ہوتا کہ قہر کے کسی لمحہ نے انہیں پتھروں میں تبدیل کر دیا تھا کہ جو جس حرکت میں تھا اسی میں منجمد ہو کر رہ گیا۔ دروازہ پر دستک دیتا ہاتھ کنڈی تک نہ پہنچ پایا۔ ہونٹ ہلے مگر مسکراہٹ کی خوشی حاصل نہ کر پائے، آنکھوں

میں محبت کی چمک پتھر میں تبدیل ہو گئی، پتھریلی زلفوں میں کنگی جامد تھی۔ پتھر کے سینے پر پتھر کے ہونٹ تھے۔چولہے میں پتھر کے شعلے تھے تو ہنڈیا میں بھی پتھر۔ پتھر کے حوض کی پتھریلی لہروں پر پتھریلے پرندے تھے۔

یا مظہر العجائب! حرکت اور جمود کا یہ بت خانہ میلوں پھیلا تھا۔ انسان شجر چرند پرند پانی سب پتھر۔"(۵)

مصنف کو بخوبی علم ہے کہ خیال اور الفاظ اپنے اندر ایک طاقت رکھتے ہیں۔ اور اظہار کا کوئی بھی راستہ، انقلاب کے سُرخ سویرے کے استقبال کے لیے اپنے بازو پھیلا سکتا ہے۔ پاکستانی مملکت میں برسوں مارشل لااور پابندیوں کے ساتھ ساتھ قیدو بند کا سلسلہ جاری رہا۔ لیکن فنکار کا تخیل، جو کہ اس کا رہنما ہوتا ہے، او ر اس کے قلم کی رفتار کو پابند سلاسل نہ کیا جا سکا۔ افسانہ اپنے اندر ابلاغ کی بھرپور صلاحیت رکھتا ہےڈاکٹر سلیم اختر نے ملک کی سماجی صورتِ حال، سیاسی صورتِ حال، جمہوری اقدار کی پامالی، نام نہاد جمہوریت کے دعویٰ دار، جیسے موضوعات کو افسانے کا حصہّ بنایا۔ ڈاکٹر سلیم اخترکے مطابق:

"میں نے مارشل لا دور میں اسلامائزیشن اور بھٹو کی پھانسی کے حوالے سے علامتی افسانے لکھے۔ جب قاری کو ان افسانوں کی علامتیں سمجھ آتی ہیں۔ تو یہ افسانے ملک کا سیاسی منظر نامہ بن جاتے ہیں۔"(۶)

"سب کہاں " میں مارشل لا کے تحت جبر و تشدد کے زمانہ کو بیان کیا گیا ہے۔اس افسانے میں مرکزی کردارپیچیدہ نفسیات کو ظاہر کرتا ہے جو اپنی ذات کے آشوب اور اپنے ماحول کی جبریت کی علامت بن کر ابھرتا ہے۔ اس کا ذہنی انتشار ایک ڈرامائی صورتِ حال پیدا کر دیتا ہے۔ اقتباس دیکھیے:

سڑک پر زور زور سے بولنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ الفاظ سمجھ میں نہ آ رہے تھے مگر لہجے کی خشونت بذاتِ خود مفہوم کی حامل تھی۔ خاموش سڑک بوٹوں اور آواز کی خشونت سے گونج رہی تھی، بوٹ اِدھر جا رہے تھے بوٹ اُدھر جا رہے تھے۔(۷)

مصنف مختصر الفاظ میں اس ماحول کی مکمل عکاسی اور لفظ " بوٹ" سے اپنی بات بہترین طریقے سے پیش کرنے پر قادر ہیں۔مارشل لا کے دور میں جب ادیبوں کی پکڑ دھکڑ عا م ہو گئی اور انہیں ریاست کا دشمن سمجھا گیا۔ تو علامت سے بہترین کام لیا گیا۔ " سب کہاں؟ " خوف کے پردے پر ابھرتی تحریر ہے۔اس افسانے میں

چھپکلی، مکڑی اور پتنگا ایک سے بڑھ کر ایک بڑے خوف اور جبر کی علامت ہیں۔ کہانی میں مکڑی پتنگے کو کھاتی ہے تو چھپکلی مکڑی کو ہڑپ کر جاتی ہے۔ خوف زدہ قلم کار جو مرکزی کردار ہے۔ ان کیڑے مکوڑوں میں اپنی مماثلتیں اور اپنے وجود کا احساس تلاش کرتا ہے۔ گویا یہ علامت ہے کہ قلم کاروں کو سچائی کی طلب نہیں حقیقت کے ادراک سے غافل ہیں اور نہایت نیچ اور چھوٹی سوچ کے حامل ہیں۔ ڈاکٹر سلیم اختر کے ہم عصر انتظار حسین نے اپنے افسانوں میں جب انسان کے باطن کا سفر کیا تو اس کی خوف زدہ نفسیات کو کیڑے مکوڑوں اور پتنگوں کی علامت سے ظاہر کیاکایا کلپ میں حال سے خوف زدہ انسان کی نفسیات اسے مکھی بن جانے پر مجبور کر دیتی ہےیہ علامتی اظہار تہ دار اور معنویت سے مملو ہے۔

ہر فکر ایک مخصوص صورت حال سے غذا پاتی ہے، لیکن اس صورت حال کے زمانی و مکانی انسلاکات سے آگے بڑھ کر اس کے اصل جوہر کی احاطہ بندی اس فکر کو بھی وسیع تر معنویت سے روشناس کراتی ہے اور لمحا تی صداقتوں میں آفاقی صداقت کا سُراغ لگاتی ہے۔ " کاٹھ" کی علامت تسلسل کے ساتھ ان کے یہاں نظر آتی ہے۔ " کاٹھ " سے مراد " لکڑی " ہے۔ جو جذبات و احساسات سے عاری ہوتی ہے۔ اس سے کٹھ پتلیاں بنتی ہیں۔جو بے بس اور بے اختیار ہوتی ہیں۔ ان کے ساتھ بندھی ڈور کا سرا کسی اور کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ جہاں ان کے حقوق ادا کرنے کی بجائے سلب کر دئیے جاتے ہیں۔ ان کی حقِ خودارادیت، آزادی رائے کو ختم کر دیا۔

ان کے علامتی افسانوں میں کہیں آسیبی فضا موجود ہے اور کہیں پر اسرار ماحول ہے۔ یہ خواب کا منظر نامہ ہیں یا جھوٹ اور واہمہ۔ملتان کے قیام کے دوران ڈاکٹر سلیم اختر کو خوابوں کی چھان پھٹک، تجزیہ و تحلیل اور تشریح و تفہیم سے دلچسپی پیدا ہوئی اور اس کے ساتھ ہی ساتھ بچپن کی سنی سنائی کہانیوں کی بدروحیں، جانور اور جن بھوت خوفناک خوابوں میں تحلیل ہو کر ان کی نیندوں میں زہر گھولنے لگے۔ اگرچہ وہ خوابوں کی علامات اور ناآسودہ خواہشات کے تعلق سے بخوبی واقف تھے۔ لیکن ان خوابوں کی عقوبت اور کفارے کی صورت نظر نہ آتی۔اور یوں وہ نائٹ میئرز کا شکار ہو گئے۔ ڈاکٹر سلیم اخترکا کہنا ہے:

> میرے کئی افسانوں میں نائٹ میئرز ملتے ہیں۔ یہ من گھڑت نہیں بلکہ میرے اپنے اور حقیقی نائٹ میئرز ہیں۔ اسی طرح نائٹ میئرز کے ردِ عمل میں، میں نے کرداروں کی جو نفسی تصویر کشی کی، وہ ذاتی واردات ہیں۔ یوں میں کہہ سکتا ہوں کہ میں نے بھی نائٹ میئرز سے تخلیقی ترفع کا کام لیا یا پھر افسانوں کا حصّہ بنا کر ان سے بدلہ لے لیا۔(۸)

ڈاکٹر سلیم اختر خوف اور دہشت کے مختلف النوع واقعات اور مناظر تخلیق کر کے فرد کے نہاں خانوں میں چھپے عدم تحفظ اور وجود کی بے مائیگی کا علامتی اظہار کے ذریعے پردہ چاک کرتے ہیں۔ انہوں نے خوف کو بطور علامت اپنے افسانوں کا حصہ بنایا۔اپنی آپ بیتی " نشانِ جگر سوختہ" میں افسانہ نگار ڈاکٹر سلیم اختر بتاتے ہیں کہ والدہ کی طرف سے سنے گئے جنوں، بھوتوں، چڑیلوں کے خوفناک اور پر اسرار قصے اور واقعات پونا اور انبالہ میں دوران رہائش مافوق الفطرت عناصر کے تحیر خیز واقعات کے تذکرے اور بعض اوقات نادیدہ ہاتھ اور چیز کو اپنے ارد گردمحسوس کرنا ان کی شخصیت میں مستقل خوف کا باعث بنے ہیں۔ جس کا اندازہ خود ڈاکٹر سلیم اختر کو بھی ہے۔

> بچپن کے ان واقعات کے اعصابی اثرات تحت الشعور میں جاگزیں رہے اور جب لکھنے کا آغاز ہوا تو انہوں نے تخلیقی محرک کی صورت اختیار کر لی، اس طرح ان واقعات سے مشروط خوف بھی میری شخصیت پر اثر انداز ہوتا رہا ہے۔ میرے متعدد افسانوں میں بلا واسطہ یا بالواسطہ طور پر، اسی خوف سے افسانوی دنیا کی تشکیل کی ہے۔۔ میرے افسانوں پر معروف ناقدین نے بہت اچھے اچھے مقالے قلم بند کیے، مگر زیادہ تر جنسی نفسیات ہی کا تجزیاتی مطالعہ کیا مگر ایک ناقد بھی میرے افسانوں میں خوف کے مظاہر تک نہ پہنچ پایا۔(۹)

افسانہ " بچھو سے ملاقات " میں انسان کو اندھیری رات میں تنہا صحرا کی خاک چھانتے دکھایا گیا ہے، جسے راستے کی خبر ہے نہ منزل کا پتہ۔ لیکن وہ انسانوں کی بے حس اور تباہ حال زندگی کو چھوڑ کر ان جانی راہوں کا متلاشی ہے۔ ایسے میں طرح طرح کے خطرات اور پریشانی کو بچھو، گدھ اور سرُخ ریت والے صحرا جیسی علامات سے ظاہر کیا گیا ہے۔ افسانہ کے اقتباس سے بچھو اور اس کا خوف نمایاں ہے۔

> جب آنکھیں کھولیں تو دائیں جانب ایک بہت بڑا سیاہ بچھو، ٹنگ کی زرد مالا کی قوس تلے اس کے وجود کا احساس کیے بغیر، ہموار رفتار سے چلا جا رہا تھا۔ ڈوبتے سورج کی کرنیں ٹنگ کے زہر بھرے موتیوں کو چمکا رہی تھیں۔ اس نے سوئی کی نوک جیسا ٹنگ دیکھا تو خوف سے جسم میں جھر جھری دوڑ گئی۔(۱۰)

ایک خاص مقام پر پہنچ کر لق دق صحرا میں بچھوؤں کی فوج اپنی دہشت اور خوف کی زہر بھری مالا لیے اُسے کاٹ کھانے کو تیار تھے۔ جبکہ تمام خطرات مول لینے کے بعد اندھیری سیڑھیوں

میں مینار کے اوپر چڑھ جانے کے بعد منزل کی آسودگی کی بجائے بڑے خوفناک گدھ لمبی لمبی چونچیں لیے اسے کھانے کو تیار بیٹھے ہیں۔

خوف اور دہشت کا یہ تخلیقی اظہار شدید جارحیت کی صورت میں " لہو کی چہچہاہٹ " میں نمایاں ہوتا ہے۔ ڈاکٹر سلیم اختر کے افسانوں میں سے ایک اہم افسانہ ہے۔ یہ افسانہ اس لحاظ سے منفرد اہمیت کا حامل ہے کہ موضوع وہی ہے جو پہلے اکثر افسانوں میں استعمال ہوا ہے۔ لیکن تکنیک مختلف ہے، اندازِ بیان اور پیرایہ خیال الگ ہے۔ بظاہر اس افسانے میں یہ دکھایا گیا ہے کہ عورت کس قدر بے بس ہے۔ اور اُس کو بے بس کرنے والے مرد ہیں۔ اس افسانے میں پانچ مردانہ کردار ہیں۔ ایک رات طوفان کی لپیٹ میں آ کر سمندر بپھر گیا اور مسافر جہاز اُلٹ کر تباہ ہو گیا۔ ایسے میں ایک عورت بے ہوشی کی حالت میں تختے پر تیرتی چلی آتی ہے۔ نقاہت کی ماری عورت ہوش میں آتی ہے تو پانچ مرد اس پر ٹوٹ پڑے۔ وہ اِسے ٹھکانے لگانے کے انتظامات کرنے لگے۔

> ایک گڑھا کھود رہا ہے، دوسرا درختوں کی سوکھی ٹہنیاں بڑے سلیقہ سے سجا رہا ہے، تیسرا پتھر پر ہتھیار کی تیز دھار چمکانے میں محو ہے۔ چوتھا آبشار سے پانی لا رہا ہے۔ پانچواں اطمینان سے تمام منظر پر پہرہ دے رہا ہے۔ خوف سے اکڑی زبان ہونٹوں پر پھیری تو تھوک کا گولا حلق سے نیچے اتارا، سبھی اپنے کام میں محو، کوئی بھی اس کی طرف متوجہ نہ تھا حتیٰ کہ وہ شخص بھی جو کچھ نہ کر رہا تھا اور صرف منظر پر پہرہ دے رہا تھا۔(۱۱)

پانچ مرد اور ایک بے بس عورت ہمارے ملک کی تصویری و کرداری علامات ہیں۔ عورت ہمارے ملک کی علامت ہے۔ پانچ میں سے چار مرد ہمارے چار صوبے ہیں اور ایک مرد جو صرف پہرہ دے رہا ہے وہ ملک کا حکمران ہے۔ہر طرف سے وطنِ عزیز کو لُوٹنے اور نوچنے کی تیاریاں کی جا رہی ہیں۔ اور اختیارات و اقتدار کے مالکان اطمینان سے اُن کے سروں پر دستِ شفقت رکھے ہوئے نگرانی میں مصروف ہیں۔زیرِ نظر افسانہ اپنی جزئیات کے باعث جنسی لذت اور دہشت پر مبنی افسانہ ہے۔

افسانہ جنس، انسانی نفسیات، معاشرت، سیاست، اقتصادیات، ثقافت اور پاکستان میں انسانی معاشرے سے متعلق ہر موضوع اورپہلو کی نشاندہی کرتا ہے۔ حکمران طبقے کی ہوس ان آدم خوروں سے مشابہہ ہے جو عورت کو مار کر کھا جاتے ہیں۔ لیکن اب ساری بستی کو انسانی گوشت اور خون کا ذائقہ لگ چکا ہے۔ استحصال اور جنون کی کیفیات آسمان کو چھو رہی ہیں۔ ہر طبقہ ایک دوسرے کے لیے

وبالِ جان بنا ہوا ہے۔ یہی اسلوب افسانے میں شدید جنسی ہیجان کی کہانی بیان کرتا ہے۔ علامتی اسلوب میں گہرائی پیدا کرنے کے لیے جنس کو بطور پردہ استعمال کیا گیا ہے۔ ہوس پرست طبقے نے ملک کا وہی حال کیا ہے جو کہ جنس زدہ لوگوں کے ہاتھوں کسی عورت کا ہوتا ہے۔ معاشرے کے مختلف پہلوؤں کا بغور مشاہدہ کرنے کی دعوت دیتی یہ کہانی مصنف کو اوّل درجے کا افسانہ نگار بناتی ہے۔

ڈاکٹر سلیم اختر کے ان علامتی خوف اور دہشت کے رویوں کی انفرادیت ہے کہ وہ خوف کا رخ فرد واحد کی بجائے تمام افراد معاشرہ کے مجموعی خوف و دہشت کی طرف موڑ دیتے ہیں۔ وہ ان کے باطن میں خوف کی پرچھائیاں دیکھتے ہیں جو معاشرتی عدم تحفظ اوربے بسی و بے کسی کے ان دیکھے اور ان جانے خطرات کے پیشِ نظر انسانی لاشعور کا حصہ بن چکے ہیں۔

''نادیدہ '' ایک ایسا ہی افسانہ ہے۔ اس میں موجود کردار" وہ" شر پسند اور تخریبی عناصر کی علامت ہے جو "عفریت" کی صورت میں افراد معاشرہ کے لیے اضطراب، بے چینی اور بے سکونی کا باعث بنے ہوئے ہیں۔ جبکہ عوام باطنی خوف کے اسیر ہیں۔ جس کی بنا پر کسی کے ساتھ مستحکم، دیرپا اور قابلِ اعتماد تعلقات استوار نہیں کر سکتے۔ اس کا نتیجہ تنہائی، مایوسی اور خوف کی صورت میں نکلتا ہے۔

افسانے میں غار کی تاریکی ہر شخص کے باطنی خوف کی علامت ہے۔ جالے میں مردہ مکڑی دہشت میں لپٹے وجود کو ظاہر کرتی ہےمعاشرے کا یہ خوف اگر کوئی دور کر سکتا ہے تو وہ ہے فنکار۔ ایسا تخلیقی فنکار جو اپنے الفاظ سے نغمات سے اور رنگوں سے انسان کے اندر پھیلے خوف، تنہائی اور ڈر کو دور کر کے ختم کر سکتا ہے۔ یہ ان فنکار کا خاصہ ہے کہ وہ اپنے اپنے خوف پر غالب آجاتے ہیں۔ اور معاشرے میں موجود عفریت کے دائرے سے لوگوں کو نکالنے کی تدبیر کر سکتے ہیں۔

''خیابان پاک جہاں '' ایسا علامتی افسانہ ہے۔ جو دو افراد کی بے مقصد، گھٹیا اور لچر سے بھر پور گفتگو دکھاتا ہے کہ پاکستان میں عوام کو اپنی منزل کا تعین ہی نہیں ہے وہ ایسے مسافر کی مانند ہے جو اپنے آس پاس کے ماحول سے تو متعفن زدہ ذہنیت کے باعث منزل سے بیگانہ ہے اور غیر ممالک کے سنہرے اور سہانے خواب ان کو لبھاتے ہیں۔ افسانہ بے ربط مکالمات کی صورت میں ہے۔ جو کہ افراد میں موجود انتشار کی علامت ہے۔

ڈاکٹر سلیم اختر کے ہاں مؤثر اور دیر پا ابلاغ و ترسیل کے لیے مختلف اسالیبِ بیاں کا استعمال ملتا ہے۔ جہاں سیدھے سادے انداز سے تفہیم ممکن ہوتی ہے وہاں اسلوب سادہ رکھا جاتا ہے۔ جہاں مکالماتی انداز میں ابلاغ مؤثر محسوس ہوا، وہاں اسلوب مکالماتی ہو گیا۔ جہاں علامتی اور تجریدی انداز بیاں کی ضرورت محسوس ہوئی،

وہاں موضوعات کو علامات کے لبادے اوڑھا دئیے۔ افسانہ " نیا تماشا" میں مجمع باز کے لحاظ سے علامت کا اظہار کے لیے زبان و بیان سادہ، بیانیہ اور بعد میں مکالماتی انداز اختیار کیا گیا ہے۔افسانوں میں عامل،معمول،شعبدہ باز اور بچہ جمورا کے علامتی روپ میں پیش ہوئے ہیں۔ان علامات کے توسط سے معاشرے کی پیچیدگیوں،متضاد رویوں اور قابل افسوس پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

"کوہ "، " جبل"، " پہاڑ" کی علامت بلند ہمتی، اولوالعزمی اور اعلیٰ نصب العین کے ساتھ ساتھ حوصلہ مندی کی بھی علامت ہے۔ڈاکٹر سلیم اختر نے افسانوں میں ان علامات کو نہایت عمدگی سے استعمال کیا ہے۔ افسانہ " جبل ممنوعہ " میں پہاڑ با ہمت اور خواب دیکھنے والوں کی آرزوؤں کا مسکن ہے۔بستی میں رہنے والے ایک جوڑے کو پہاڑ کی بلند چوٹی امید کے خواب دکھاتی۔ وہ پہاڑ ان کے خوابوں میں آ کر بلاوے کا پیغام دیتا۔ ایسا پہاڑ جو وہاں کے بے خواب اور مریل مکینوں کو ناقابلِ تسخیر اور بے کشش محسوس ہوتا تھا۔ اس پر اُمید جوڑے کے لیے رنگ و نور سے بھرپور تھا۔ دھنک رنگ پہاڑ اپنی طرف بلاتا تھا۔

> چاند کی داغ دار چاندنی کی ملگجی چادر میں لپٹی ہوئی چوٹی کی طرف جو نگاہ اٹھائی تو وہاں روشنی کی آبشار نظر آئی۔ آنکھوں کو تراوٹ دینے والی عجیب نیلگوں روشنی اور اعصاب کو پر سکون کرنے والی متحیر اور مسحور، روشنی بلبلے کاسیل رواں دیکھ رہے تھے جس میں مختلف رنگوں کے اُبھر رہے تھے۔ بغیر جھپکتی آنکھوں کے ذریعہ سے وہ گویا اس روشنی کو اپنے اعصاب، دل، روح تک میں اتار رہے تھے۔ (۱۲)

یہ پہاڑ ان کے لیے پیغام اور انعام کی صلاحیت رکھتا ہے اور اس کی روشنی اور اس کا بلاوا انسانی خوابوں میں چھپی زندگی کی دلیل اور علامت ہے۔

شجر سایہ دار تھکے ماندے لوگوں کے لیے عافیت اور راحت و طمانیت کا باعث ہوتا ہے، اسی خصوصیت کی بدولت "شجر " کی علامت اساطیری روایات میں سرپرست، بزرگ، دست گیر اور منصف کے لیے استعمال ہوتی رہی ہے۔ " شجر سنگ بار " اور " تنکرہ اشجار " میں " شجر" انہی خصوصیات کی حامل علامت ہے۔ جہاں بستی یا کسی علاقے کے تمام اہم فیصلے کیے جاتے ہیں۔ " شجر سنگ بار " میں شاداب پربت کی گود میں آباد نیلی جھیل کے کنارے ایک بستی صاف ستھرے لوگوں کی آماجگاہ ہے۔ وہاں کوئی قانون کی حد سے آگے نہیں گزرتا۔ بستی کے مرکزی حصےّ میں ایک قدیم اور عظیم شجر ہے۔ جس کا کسی بڑے سمجھدار بزرگ کی طرح احترام کیا جاتا ہے۔ لیکن ایک ناہنجار کنواری ماں بننے والی ہے اور اس

شجر عظیم کے سائے تلے سنگ زنی کی رسم ادا کی جاتی ہے۔ اگلی صبح بستی کے لوگ دیکھتے ہیں کہ وہ قدیم شجر جس سے ان کے کئی طرح کے رشتے تھے، پتھر میں تبدیل ہو چکا ہے۔ تنا، شاخیں، پتے سب پتھر کے ہیں۔ ہوا چلتی ہے تو درخت سے پتھر برسنے لگتے ہیں۔

بستی کے ناپاک وجود کو سزا کے طور پر سنگ بار کرنے کے بعدیہی " شجر" بقیہ ماندہ کے لیے سنگ باری کا باعث بن جاتا ہے۔ گویا اُس نے اس ناہنجارعورت کی سزا کا انتقام لے کر منصفانہ روش اختیار کی۔ اوربزرگ اور سرپرست ہونے کا حق ادا کر دیا۔ " تذکرہ اشجار " میں بھی " شجر" زن ناہنجار اور نئے بادشاہ کو کجلی بن کے اس مقام سے اچک لیتا ہے۔ جہاں بادشاہ وقت کو قتل کیا گیا تھا۔ یہاں "شجر " کا اساطیری روپ بھر کر دونوں کو نگلنابدی کی طاقتوں کو سلب کرنا تھا۔ پس " شجر" مہربان اور منصف کے روپ میں علامت سازی کے عمل پر گہرے نشانات ثبت کرتا ہے۔ ایک مکمل نقشہ " شجر سنگ بار" میں ڈاکٹر سلیم اختر کی مہارت کا ثبوت ہے۔ اقتباس ملاحظہ ہو:

> شجر سانجھا تھا۔ دوست، بھائی، غمگسار، بزرگ کی مانند سب کے لئے بازو پھیلائے، اس کی چھتر چھاؤں میں سب کا فالتو وقت گزرتا، منگنی، شادی اور کاروبار کے معاملات طے پاتے، پنچایت ہوتی اور حاکم اس کے تنے سے ٹیک لگا کر سزا جزا کا فیصلہ کرتا۔ اگریہ کہا جائے کہ شجر شمس تھا اور نظام شمسی کی مانند بستی اور باسی اس کی کشش کے اسیر تھے تو اسے مبالغہ نہ جانا جائے۔(۱۳)

ان افسانوں میں داستانی و اساطیری علامت کی طرز دکھائی دیتی ہے۔ جس میں لطیف، عمیق اور بھرپور حقائق کے اظہار کے لیے کردار اور واقعات منتخب کر کے ان سے کام لیا گیا ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ وہ اپنے افسانوں میں مقامی رنگ نمایاں کرنا چاہتے ہیں۔ اور گردو پیش کی المناک حقیقتوں کی بھرپور ترجمانی کے لیے اساطیری علامتوں سے کام لیتے ہیں۔انہوں نے انسان کو ایک ازلی اور ابدی مظہر کے طور پر بھی دیکھا ہے اور اپنے عہد کی مخصوص ذہنی اور جذباتی فضا کے آئینے میں بھی۔ ان کی فکر نے انسان میں موجود آدمی کا احاطہ بھی کرتی ہے اور اس تہذیبی استعارے کا بھی جس کے گرد مختلف اقدار، افکار اور روایات کا ہجوم ہے۔

" مٹی کا قرض " ایک عمدہ علامتی افسانہ ہےساتویں دہائی میں جو نامساعد حالات پیدا ہوئے اُن کے تحت موت کا عمل زندگی کے عمل پر غالب آگیا تھا۔ لہٰذا ڈاکٹر سلیم اختر کے یہاں موت کا وژن قراۃ العین حیدر کی طرح گہرا نظر آتا ہے۔ جس کی مثالیں اُن کے کئی

افسانوں میں ملتی ہیں۔ یہ افسانہ لذتِ مرگ اور موت کی رومانی فضا پر مبنی ہے۔ مرتی ہوئی بیوی اور زندہ شوہر کے شاندار مکالمے نیا ماحول پیدا کرتے نظر آتے ہیں۔

مختلف بیج اور طرح طرح کے خوش رنگ و پُر بہار پھول اعلٰی اوصاف اور کردار حق کی علامت ہیں۔ جو کسی فرد کے اس دنیا سے خاتمے کے بعد بھی خوشبو اور بہار کی مانند فضا کو معطر اور جاں فضا بنائے رکھتے ہیں۔ ویران بنجر زمین پر خوبصورت پھولوں کا وجود معاشرے کے خالی پن کو خوبیوں سے متصف کرتا ہوا نظر آتا ہے۔

افسانہ " پانچویں کھونٹ "میں داستانی فضا بڑی مہارت سے تیار کی گئی ہے۔افسانہ نگار نے اس میں خاص دور کی اجتماعی صورتِ حال کو عمدگی سے علامتی انداز میں پیش کیا ہے۔ افسانے میں چار کردار ہیں۔ پہلا کردار اس شخص کا ہے جو معاشرے میں روشنی کا پیغام لایا اور انقلاب برپا کرتا ہے۔ بستی مکینوں کو ترقی کی جانب رواں دواں کرتا ہے لیکن ایک دن اس کی اپنی قوم اسے تمام گناہوں کا ملزم ٹھہرا کر مار دیتی ہے۔ دوسرا کردار ایک بوڑھے اور اندھے شخص کا ہے جو مسافر کو سارا قصہ سنا رہا ہے۔ تیسرا کردار ایک مسافر کا ہے جو اس بستی میں آیا جو اب پتھر کی بن چکی ہے۔ چوتھا کردار پَر دار کا ہے جو ظالم حکمران کی علامت ہے جو اپنی رعایا سے اچھا سلوک کرنے کی بجائے ظلم کی انتہا کر دیتا ہے۔

افسانہ ملک کی سیاسی صورتِ حال، حکمرانوں کی ہوس پرستی، عوام کی بے حسی اور بے بسی کو بے نقاب کرتا ہے۔ ڈاکٹر سلیم اختر نے علامتی انداز اختیار کر کے یہ بتا نے کی کوشش کی ہے کہ اگر حکمرانوں کی یہی صورتِ حال رہی ان کو صرف اپنے مفادات سے غرض رہی تو یہ ملک کی تباہی کے دہانے پر پہنچ جائے گا۔ اس کے رہنے بسنے والے اندھیروں میں رہ رہ کر تاریکی میں زندگی گزار گزار کر بے حس و حرکت ہو جائیں گے۔

"عذاب میں گرفتار بستی " محروم اور بدنصیبوں کی بستی ہے۔ جہاں نحوست، وحشت اور قحط کا راج ہے۔پانی سے محرومی وہاں کے رہائشی کو وحشت کی جانب دھکیلتی ہے۔ کوئی کسی پر اعتبار نہیں کرتا۔اس بے یقینی اور بے اعتمادی کے شکار لوگ اس قدر ذہنی مفلوج ہو چکے ہیں کہ اپنے مونس و ہمدرد اور غم گسار و غم خوار کو نہ پہچان سکے۔ ایک دن ایک شخص امیدوں اور نعمتوں کی بشارت لے کر آتا ہے۔ ان کے کڑے دن ختم ہونے کی نوید سناتا ہے۔ لیکن بستی کے لوگ یقین نہیں کرتے بلکہ پلید روح سمجھ کر اس پر شک کرتے ہیں۔جب کسی معاشرے میں سیاسی، سماجی اور اقتصادی حالات دگر گوں ہوں وہاں اخلاقی قدریں بھی پائمال ہو جاتی ہیں۔ لوگ ذہنی عدم توازن کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اپنے پرائے، دوست دشمن کا فرق مشکل ہوجاتا ہے۔

"عذاب میں گرفتار بستی "، " پانچ کھونٹ " اور " اور بستی " ایک ہی قسم کے افسانے ہیں۔ ان کو علامتی تکنیک میں لکھا گیا ہے۔ ان کا موضوع ہمارے ملک کی سیاسی، معاشرتی و معاشی صورتِ حال ہے۔ ان افسانوں میں انسانی نفسیات، معاشرتی زندگی، سیاست، ثقافت اور اقتصادی صورتِ حال ہر پہلو کی طرف ہماری توجہ مبذول کرائی گئی ہے۔

"کھجوروں کا موسم " ڈاکٹر سلیم اختر کے افسانوں میں سے ایک ایسا افسانہ ہے جو ان کے مخصوص انداز اور داستانی حوالے کی عکاسی کرتا ہےیہ کہانی دراصل اُس اقتدار کے خلاف مزاحمتی رنگ لیے ہوئے ہے جو معاشرے میں تخلیقی اور فکری سر چشموں کو خشک اور حسن و جمال کی قدروں کو پامال کرنے کے درپے رہتا ہے۔ کھجور کے درخت کا خوشبو، رنگ اور سچائی سے پیار کرنے والوں کو نگل جانا ایک ظالمانہ نظام کی علامت ہے۔ جس کے جال میں آ کرلوگ یقین اور شک کی فضا میں سانس لینے پر مجبور کردیئے گئے ہیں۔

"شاہی دستر خوان " مختصر مگر بڑی مؤثر علامتی کہانی ہے۔ اس میں داستانی انداز اپنایا گیا ہے۔ یہ طنز سے بھر پور افسانہ ہے۔ اور طنز کا ہدف بادشاہ کا کردار ہے۔ یہ ایک ایسے بادشاہ کی کہانی ہے۔ جو بے حد مہمان نواز ہے۔

مہمان نواز بادشاہ کے حوالے سے ایسے حکمرانوں پر طنز کی گئی ہے جو بظاہر بڑے نیک، پاک باز، خدا ترس اور پرہیزگار دکھائی دیتے ہیں۔ لیکن بباطن آدم خور ہوتے ہیں۔ اور ملک کو لوٹنے اور لوگوں پر ظلم کرنے کا کوئی موقع نہیں چھوڑتے۔ بادشاہ کا کردار علامتی کردار ہے۔ جو حکمران عوام کا حق کھاتے ہیں آدم خور بادشاہ ان کی علامت ہے۔ افسانے میں بادشاہ نئے کمرے بنانے کا حکم دیتا۔ اسی طرح نئے کمرے بنتے جاتے ہیں اور غریب عوام اور ان کے حقوق پر قبضہ کر کے ان کمروں کو بھر دیا جاتا ہے۔ یہ عمل جاری رہتا ہے۔

افسانہ " اختتام" اساطیری افسانوں کے سلسلے کی ہی ایک کڑی ہے۔ داستانی انداز میں ایک انوکھے اور خوفناک سفر کااحوال بیان کیا گیا ہے۔ جس میں بھوت پریت، پچھل پائیاں، چھلاوے اور آگیابتیال ان کے ہم سفر ہیں۔اندھیرے جنگل سے روشن دنیا کی جانب لے جانے والے شخص کی موت کے موقع پر تماشائیوں کا ذکر کیا جاتا ہے:

> انہوں نے مڑ کر دیکھا۔ جانوروں کا ہجوم تھا۔ چھوٹی چھوٹی مکار آنکھوں والے ہاتھی کے دانت گویا مجرم قرار دینے والی انگلی سے اس کی طرف اشارہ کر رہے تھے۔ اس کے پاس ڈاڑھیوں والے بکرے تھے جن سے بُو کے بھبھاکے اٹھ رہے تھے

ان کے پاس مگر بکروں کی بو سے خاصے بے
چین اونٹ احمقانہ انداز میں تھوتھنیاں اٹھائے کھڑے
تھے۔ پھر گدھ تھے، چیلیں تھیں، کوے تھے،
کنکھجورے تھے اور بچھو اور سانپ بھی حتی کہ
مکھیاں ٹڈیا ں اور جھینگر بھی تماشائی تھے۔ (۱۴)

یہ افسانہ ایک خاص دور کے واقعات کے گہرے مشاہدے اور جذباتی تجربے کے تحت تخلیق کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر سلیم اختر نے اس دور کی حقیقت کا گہرا اور عمدہ ادراک کیا ہے۔ بشارت دینے والا شخص بشارت کا پیغام لایا، جن نے لوگوں کو دلدل سے نکال لے جانے کا عزم باندھا مصلوب و مغضوب ہوا۔ لمبے دانتوں اور مکار آنکھوں والے ہاتھی اعلیٰ اختیارات کے مالک ہیں جو ذاتی مفادات کی خاطر اس شخص کو مجرم گردانتے ہیں۔ داڑھیوں والے بدبو دار بکرے معاشرے کے منافق عہدہ دار لوگ ہیں۔احمقانہ انداز میں تھوتھیناں اٹھائے اُونٹ غریب،بے بس اور بے وقوف عوام ہے۔ جو جثے میں تو اونچے لمبے اور بڑے ہیں مگر کسی طاقت اور عقل مندی سے خالی ہیں۔ اپنے اوپر خود مسلّط کیے گئے حکمرانوں اور عہدہ داروں کے رویے سے پریشان ہیں۔ علاوہ ازیں گدھ، چیلیں، کوے، کنکھجورے، بچھو اور سانپ معاشرے میں پائے جانے والے ہرمعاش اور ایسی طرز کے لوگوں کی علامت ہیں۔ جو تخریب کار اور شر پسند ہیں۔

"ظلِ ھُما " معاشرتی و سیاسی حوالے سے اہم افسانہ ہے۔افسانہ بے حد دلچسپ پیرائے میں ملکی سیاست کی تاریخ بیان کر رہا ہے۔ھُما اور بادشاہ دونوں بالترتیب عوام اور انکی مقررہ حکمران کی علامت کے طور پر پیش کیے گئے ہیں۔ ڈاکٹر سلیم اختر کے سیاسی و معاشرتی شعور کی داد دینی پڑتی ہے۔ جو اس افسانے کے ذریعے یہ باور کراتے ہیں کہ اس معاشرے میں عوام ہی حکمران کا چناؤ کرتی ہے اور یہی حکمران عوام کو موت کے کنویں میں دھکیلتے ہیں۔

یہ افسانے سیاسی موضوع پر ہیں اور ہماری ملکی تاریخ کے ایک خاص دور کی وضاحت کرتے ہیں۔ ڈاکٹر سلیم اختر نے گہرے مشاہدے، سیاسی شعور اور معاشرتی ادراک کے سہارے حقیقتوں کی تصویر علامتی انداز میں پیش کی ہے۔ اور یہ اُس وقت کا تقاضا تھا لیکن اس علامتی انداز میں ان کہانیوں کو زیادہ گہرائی اور حسن عطا کیا ہے۔ علامتیں قابلِ فہم اور اندازِ ترسیل بڑا دلکش اور معنویت سے بھرپور ہے۔ ہر لکھنے والے کو نئے تجربات کی صورت میں ہمیشہ نئی منزلیں سامنے رکھنی چاہیئں۔اور یہی راستہ ڈاکٹر سلیم اختر نے اپنایاوہ لکھتے ہیں:

نا گفتی باتوں کے اخفا کے لیے بھی علامتی اسلوب
مجھے زیادہ موزوں نظر آیا۔ لہٰذا میں نے یہ انداز

اپنایا اور اب گزشتہ چار پانچ برسوں میں میَں نے
زیادہ تر علامتی افسانے ہی لکھے۔(۱۵)

ڈاکٹر سلیم اختر کے بہترین افسانوں میں ایک افسانہ شمار کیا جا سکتا ہے۔ جو کہ "جس رات ستارے ٹوٹے ہے۔"

اس افسانے میں بدبو دار اور تعفن زدہ شخص ہماری کمزوریوں اور برائیوں کی علامت ہے۔ ہمارے معاشرے کا المیہ یہ ہے کہ اپنے شعور اور آگہی کی بنا پر نئی دنیا قائم کرنے والوں کو قبول نہیں کیا جاتا۔ لٰہذا اس شخص کو بستی بدر کر دیا گیا۔ کیونکہ بستی میں آباد جھوٹے بے بصیرت اور شعور کی آنکھ سے محروم لوگوں کو اپنا مصلح گوارا نہ تھا۔افسانہ نگار نے اپنے لاشعور کی عکاسی نفسیاتی اور علامتی نقطہ نظر سے کی ہے۔

"آشوبِ چشم " ایک معاشرتی علامتی کہانی ہے۔ مصنف نے ایسے لوگوں کو طنز کا نشانہ بنایا ہے جو آنکھیں رکھنے کے باوجود ان کے صحیح استعمال سے قاصر ہیں۔مصنف یہ بتانا چاہتا ہے کہ ان بے معنی آنکھوں سے کوئی فائدہ نہیں ایسی آنکھوں سے تو اندھے بہتر ہیں۔ افسانہ نگار کہانی کچھ اس طرح بیان کرتا ہے کہ ہمارے معاشرے کا دہرا روپ کھل کر سامنے آجاتا ہے۔اس معاشرے میں ہر شخص کے ظاہر و باطن میں فرق ہے۔

یہ افسانہ اجتماعی صورت حال پر گہری طنز لیے ہوئے ہے۔ لوگوں کا زاویہ نگاہ ہی بدل چکا ہے۔ اب ان کی ترجیحات مختلف ہو چکی ہیں۔ لوگوں کے پاس آنکھیں ہیں لیکن وہ جان بوجھ کر اُن سے کام نہیں لیتے۔حالات کی سنگینی تک پہنچنے کا ادراک رکھتے ہوئے بھی انجان اور بے بس ہونے کا اظہار کرتے ہیں۔چیزوں کی تعبیر الٹی دیکھنے پر مجبور ہیں۔ کیونکہ آنکھیں اپنی صحیح جگہ پر ہونے کی بجائے پشت پر چلی گئی ہیں۔یہ سب علامتی اظہار چیزوں کو درست تناظر میں دیکھنے پر پابندی کے باعث ہے۔ اس منافقانہ معاشرے میں مرکزی کردار خود کو تنہا محسوس کرتا ہے۔

جذباتی و نفسیاتی کیفیت ہو یا معاشرے کا منافقانہ رویہ، سماجی درد مندی ہو یا عورت کی ناقدری اور ابنار مل کردار ہو، ڈاکٹر سلیم اختر روایتی و علامتی افسانے میں ہر موضوع پر اظہار خیال کرتے ہیں۔ " پانچویں کھونٹ"، " عذاب میں گرفتار بستی"، "اختتام"، " ظلِ ھما" سب کے سب مارشل لا کے سبب جمہوری اقدار کی پامالی، آمرانہ نظام کے نفاذ، منافقت اور ریا کاری کا معاشرے میں عام ہونا، عوام کو لوٹنے، دھوکہ دینے اور اقتدار کو دوام بخشنے کے خاطر استحصالی حربے اختیار کرنے کو علامت کے پردے میں موضوع بنایا گیا ہے۔

"لہو کی چہچہاہٹ"، " شاہی دستر خواں "، " شکتی " اور" جنون کی رات" یہ سب افسانے دہشت ناک اور کریہہ المناظر ماحول لیے ہوئے ہیں۔ ان سب افسانوں کے کردار تخلیق کرتے وقت یقیناً

انسانی زندگی کے گہرے مشاہدے اور تجربے سے خاصہ کام لیا گیا ہے۔ " آئینہ" کی نگار، " بسیرے دی جورو" کی جورو، " پانچویں کھونٹ"، "عذاب میں گرفتار بستی" اور " اور بستی " کاامید دلانے والا انسان، "ظلِ ھما"، " کھجوروں کا موسم" اور " شاہی دستر خواں " کا منافق اور ظالم بادشاہ وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔ یہ علامتی کردار اتنے بھرپور اور جاندار ہیں کہ ان کو فراموش کرنا آسان نہیں ہے۔ اکثر علامتی افسانے ہمارے ایک خاص دور کی تاریخ کا حصہّ ہیں۔ یہ سب کہانیاں موضوع اور فن کا بہترین نمونہ ہیں۔

ڈاکٹر سلیم اختر کی ذہنی دلچسپیوں کا دائرہ خاصا وسیع ہے۔ انہوں نے اساطیر، اینتھروپولوجی، آکلٹ، جادو اور پیراسائیکا لوجی کا خصوصاًمطالعہ کر رکھا ہےڈاکٹر سلیم اختر کے علامتی افسانے اپنے اندر گہرائی رکھتے ہیں۔ انہوں نے شعوری کوشش کر کے اپنے علامتی افسانوں کو علامت کی بنیاد پر مبہم نہیں ہونے دیا۔ انہوں نے علامت سے شعوری اخفا کا کام لیا ہے۔ اور اس سے معنی کی کئی جہات پیدا کی ہیں۔ ان کے علامتی افسانوں میں فکر و نظر کی کئی سطحیں جلوہ گر دکھائی دیتی ہیں۔ وہ افسانوں کو نئے تناظر میں دیکھنے اور دکھانے کے عادی ہیں۔ ان کے علامتی افسانے ادب کے لیے بے مثال سرمایہ ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ عاصمہ اصغر، (مرتبہ) مکالماتِ سلیم، اظہار سنز، لاہور، 2012ء، ص35

۲۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، نرگس اور کیکٹس، سنگ میل پبلی کیشنز،لاہور، 2004ء، ص402

۳۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، نرگس اور کیکٹس، سنگ میل پبلی کیشنز،لاہور، 2004ء، ص294

۴۔ رشید امجد، ڈاکٹر، ڈاکٹر سلیم اختر کے افسانے، مطبوعہ، زبان و ادب، شمارہ نمبر 12، شعبہ اردو، گورنمنٹ کالج یونی ورسٹی، فیصل آباد، ص9

۵۔ شاہین مفتی، ڈاکٹر، ڈاکٹر سلیم اختر: شخصیت اور فن، اکادمی ادبیات،پاکستان،اسلام آباد، 2015ء، ص158

۶۔ عاصمہ اصغر، (مرتبہ) مکالماتِ سلیم، اظہار سنز، لاہور،2012 ء، ص35

۷۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، نرگس اور کیکٹس، سنگ میل پبلی کیشنز،لاہور، 2004ء، ص319

۸۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، نشانِ جگر سوختہ، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور،2005ء ص198

۹۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، نشانِ جگر سوختہ، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور،2005ء ص35

۱۰۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، نرگس اور کیکٹس، سنگ میل پبلی کیشنز،لاہور، 2004ء، ص200-201

۱۱۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، نرگس اور کیکٹس، سنگ میل پبلی کیشنز،لاہور، 2004ء، ص435

۱۲۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، نرگس اور کیکٹس، سنگ میل پبلی کیشنز،لاہور، 2004ء، ص63

۱۳۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، نرگس اور کیکٹس، سنگ میل پبلی کیشنز،لاہور، 2004ء، ص209

۱۴۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، نرگس اور کیکٹس، سنگ میل پبلی کیشنز،لاہور، 2004ء، ص313

۱۵۔ شاہین مفتی، ڈاکٹر، ڈاکٹر سلیم اختر: شخصیت اور فن، اکادمی ادبیات پاکستان،اسلام آباد، 2015ء، ص230-231